Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE
مجھے جینا ہے
انسہ مختار

مجھے جینا ہے!

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

از قلم انسہ مختار

All Rights Reserved

Copyright: Ansa Mukhtar (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

khanumaira@safareadab.com

adab@safareadab.om

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ضروری بات

مجھے جینا ہے! کے تمام جملہ حقوق لکھاری " انسہ مختار " کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اسے انجینئرنگ کرتے یہ پہلا سال تھا. زندگی کافی پر سکون تھی. بابا کاروباری شخص تھے سو پیسے کی بھی کوئی کمی نہ تھی. اکلوتا ہونے کے ناطے بہت محبت اور شفقت سے پرورش ہوئی تھی.

اس کے گھر کے ساتھ ہی تایا کا گھر تھا. ان کی دو بیٹیاں تھیں. عروج اور زارا. عروج انٹرمیڈیٹ کر چکی تھی اور اب بی_اے کر رہی تھی. کیونکہ تائی کچھ پرانے خیالات کی تھیں. سو آگے پڑھنا ممکن نہ ہوا. اور زارا ابھی میٹرک کر رہی تھی. سرمد عروج کو بچپن سے ہی پسند کرتا تھا اور اس کے دل کی بات بھی خوب جانتا تھا مگر زبان سے ابھی کسی نے بھی اقرار نہیں کیا تھا. وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھیں پڑھنا بھی جان گئے تھے. تو کسی کو کلامی بتانے کی ضرورت ہی نہ پڑی.

اے_پلس گریڈز لانے کی خاطر پڑھتے ہوئے، دوستوں کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے اور عروج کے خیالوں میں ڈوبتے ہوئے یہ پہلے دو سال کیسے گزر گئے پتا ہی نہ چلا. اس کے لیے سب سے زیادہ ضروری تھا اپنا مستقبل سنوارنا اور پھر عروج. دو سال تو گزر چکے تھے اور اب وہ امی کو بھی اس حوالے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا. اس کے نزدیک انہیں بتانے کا یہی سب سے صحیح وقت تھا. مگر ایک دن جب وہ یونیورسٹی سے گھر لوٹا اور عروج کے لیے اس کے ماموں کی طرف سے آئے رشتے پر ہاں ہونے کی خبر سنی تو اسے اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا. وہ وہیں لان میں صوفے پر بیٹھتا گیا. کتابیں اور بیگ تقریباً ہاتھ سے چھوٹ کر میز پر گری تھیں. امی خالہ کو بتا رہی تھیں اور وہ اپنی ہی سوچوں میں غرق تھا. اس کا جی چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے. عروج کی اس کو دیکھتے ہوئے وہ پیاری سی مسکراہٹ، وہ گھبرائی ہوئی شہد رنگ آنکھیں، وہ مدھر سی آواز. یہ لمحے سب سے زیادہ اذیت ناک تھے. اس سے اور ضبط نہیں ہو رہا تھا. خاموشی سے بیگ اور کتابیں اٹھا کر وہ اپنے کمرے میں آ گیا. وہ بیڈ پر بیٹھا تھا اور امی کے وہ الفاظ کانوں میں کھولتا ہوا

سیسہ انڈیل رہے تھے. کافی دیر وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا. بہت دیر بعد اسے محسوس ہوا کہ اس کے گال تر ہو رہے ہیں. بلیک جینز پر وائٹ شرٹ. اس نے چہرہ موڑ کر آئینے میں دیکھا. سفید رنگت، سیاہ آنکھیں، سیاہ بال، چہرے پر اذیت رقم کرتے تاثرات اور درد بھرے آنسو. کیا وہ واقعی میں اتنا معصوم تھا؟ معلوم نہیں. مگر آئینے میں دیکھنے کے بعد اس کے دماغ نے اطلاع دی تھی کہ وہ رو رہا ہے. اور پھر وہ اپنا سر گھٹنوں میں دے کر بہت رویا. جب بہت دیر رونے کے بعد اس نے سر اٹھایا تو بازو بھیگ چکے تھے. تبھی دروازے پر دستک ہوئی. اس نے آہستہ سی آواز میں پوچھا کہ کیا کام ہے. ملازمہ رات کے کھانے کے لیے بلانے آئی تھی. یقیناً امی خالہ کے ساتھ تایا کے گھر گئی ہوں گی. اسے اب یاد آ رہا تھا کہ آج وہ اپنے دوستوں کے ساتھ دیر سے گھر لوٹا تھا. اس نے کھانے کے لیے منع کیا اور واش روم میں گھس گیا. منہ دھو کر چینج کیا مگر آنکھیں سرخ تھیں. وہ خاموشی سے بیڈ پر لیٹ گیا. مگر اب نیند تو نہیں آنی تھی. اٹھ کر بالکونی میں کھڑا ہوا. ان کے گھر کے پیچھے یعنی بالکونی کے سامنے خالی میدان تھا جہاں بچے دن میں کرکٹ کھیلتے تھے. اس کی بالکونی سے ان کے گھر کے سب سے آخر میں موجود عروج کے کمرے کی بالکونی نظر آتی تھی. جہاں سے چھن کر آتی روشنی بتا رہی تھی کہ وہ ابھی جاگ رہی ہے. وہ کئی لمحے اس خالی بالکونی کو تکتا رہا اور پھر سے آ کر لیٹ گیا.

اگلے تین دن وہ یونیورسٹی بھی نہیں گیا. گھر والوں سے بھی اتنا ہی کہا کہ طبیعت ٹھیک نہیں. اور پھر آہستہ آہستہ وہ اپنی پہلے والی روٹین میں آنے کی کوشش کرنے لگا. اس کوشش میں وہ کتنا کامیاب ہوا یہ تو معلوم نہ ہو سکا مگر ایک چیز اس کے ساتھ ضرور ہوئی تھی. وہ یہ کہ اب وہ بہت کم گو ہو چکا تھا.

معمول کے مطابق آج بھی وہ سب دوست ایک عام سے ہوٹل میں موجود تھے. وہ اکثر اپنی ہفتے کی شام اسی ہوٹل کے نام کرتے تھے. اس ہوٹل کی سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اس وقت یہاں رش نہیں ہوتا تھا. کیونکہ اس دن زیادہ لوگ بڑے ہوٹلوں کی جانب رخ کر جاتے تھے. آج بھی وہ سب ہی بیٹھے تھے. جب عاطف نے سگریٹ سلگائی. اس نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر اپنے کپ کے دہانے پر انگلی پھیرنے لگا. سب خوش گپیوں میں مصروف تھے. وہ

سن رہا تھا اور کبھی ہوں ہاں میں جواب بھی دے دیتا. عاطف نے کچھ سگریٹ پی کر علیم کی طرف بڑھائی جسے اس نے خوش دلی سے قبول کیا. اس کے کچھ دوست تھے جو سگریٹ-نوشی کرتے تھے اور کچھ نہیں بھی کرتے تھے. ان کے کئی بار منع کرنے کے باوجود وہ لوگ اس نشے کو نہیں چھوڑ پائے تھے. وہ ابھی بھی خاموش ہی بیٹھا تھا. باہر شام الوداع کہہ رہی تھی.

"کیا بات ہے سرمد! کافی دنوں سے بڑے چپ چپ رہتے ہو؟ کچھ ہوا ہے کیا؟" عاطف نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا. ہوٹل میں اس وقت چند بیرے ہی موجود تھے. جن میں سے کچھ صفائی کر رہے تھے اور ایک دو کاؤنٹر کے پاس کھڑے تھے. چھ کرسیوں پر مشتمل ایک جانب ان کا گروہ بیٹھا تھا. عاطف کی آواز نے اسے اپنے خیالوں سے چونکایا.

"نہیں یں کچھ نہیں" اس نے مختصراً جواب دیا.

"اب کچھ تو ہوا ہے. جو تم ہمیں نہیں بتا رہے." ایک طرف بیٹھے زوبیر کی آواز آئی تھی. اس کے سب دوست ہی بہت اچھے تھے. صرف ان تین کے سوا جنہیں سگریٹ پینے کی بیماری تھی. ان میں صرف یہی خامی تھی. جو بہت اونچے گھرانوں اور کھلے ماحول کا نتیجہ تھا.

"نہیں یار ایسی کوئی بات نہیں". اس نے چائے کا کپ خالی کرتے ہوئے جواب دیا.

"تم بتاؤ یا نہ بتاؤ. کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے. خیر چھوڑو. جو بھی ہے. اسے دھوئیں میں اڑا دو." شاہ میر آدھی سگریٹ اس کو پیش کرتے ہوئے بولا.

"نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں." اب کی بار اس نے مسکرا کر جواب دیا.

"چھوڑو تم بچے کو بگاڑ دو گے. تم تین پیتے ہو. اتنا ہی کافی ہے. ویسے بھی passive smoking سے ہمارے آدھے پھیپھڑے تو خراب کر ہی چکے ہو گے." احمر کی بات پر سبھی ہنس پڑے.

"ویسے شاہ میر کی بات میں دم تو ہے. اتنا منہ لٹکائے کی کیا ضرورت ہے. چار پانچ کش لگاتے ہی فریش ہو جاؤ گے."

ایک نشہ آور شخص کے لئے اس کے نشے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا. سو زوبیر نے بھی صفائی پیش کی. وجہ یہ کہ وہ اس کا اترا ہوا چہرہ برداشت نہیں کر سکتے تھے. اب کی بار اس نے کوئی جواب نہیں دیا. بس اتنا ہی کہا کہ اسے دیر ہو رہی ہے اور گھر جانا ہے. اور پھر ہوٹل سے باہر نکل گیا.

اگلا سارا ہفتہ بھی ایسے ہی گزرا. وہ جس قدر خود کو اس کی یادوں سے چھٹکارا دلاتا، جتنا خود کو مصروف کرتا وہ اتنی ہی یاد آتی.

اس ہفتے کی شام بھی بالکل ویسی ہی تھی. معمول کے مطابق ہوٹل میں اکا دکا لوگ، دوستوں کی خوش گپیاں، اس کی خاموشی، چائے کے کپ اور سگریٹ. سب کچھ پچھلے ہفتے جیسا ہی تھا. اور دوستوں نے پھر سے اس کی خاموشی اور غائب دماغی کا موضوع بھی چھیڑ دیا. اس کے اس رویے پر سب اپنی اپنی رائے پیش کر رہے تھے. اور پھر آخر میں پہلے کی طرح عاطف اور شاہ میر نے سگریٹ کے بے تکے سے فوائد سامنے رکھے اور اسے اپنے غموں کو بھولنے کی نصیحت کرنے لگے. وہ پہلے ہی بہت کرب میں تھا اور ان سب کی باتیں تکلیف میں اضافے کا سبب تھیں. وہ خاموشی سے اٹھا اور باہر نکل گیا. سب نے پیچھے سے آواز دی مگر وہ نہیں لوٹا.

پھر اگلا سارا ہفتہ بھی وہ اس کی یادوں سے چھٹکارا پانے اور اپنی مصروفیت کو یقینی بنانے کی جنگ لڑتا رہا.

اس ہفتے کی شام جب وہ اپنے دوستوں سے ملنے کے لیے بائیک کی چابی لے کر گھر سے نکل رہا تھا تو دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر عروج اور زارا آتی دکھائی دیں. زارا نے ہاتھوں میں پلیٹ پکڑی ہوئی تھی. یقیناً وہ کھانے کی کوئی چیز دینے آئی تھیں. قریب آکر دونوں نے سلام کیا. زارا خوشدلی سے حال احوال پوچھنے لگی. اور وہ خاموشی سے سر جھکا کر اندر جاتی عروج کو دیکھتا رہا. کچھ دیر بعد زارا بھی اندر چلی گئی اور وہ ہوٹل میں دوستوں کے پاس جانے کے بجائے پارک میں آگیا. یوں بھی وہ آج گھر سے کچھ دیر سے ہی نکلا تھا. پارک میں بالکل بھی رش نہیں تھا. دور کچھ ہم جولیوں کی ٹولی جوش اور لطف سے بھری باتوں میں گم تھی. وہ بینچ پر بیٹھا، کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، زپ کو گردن تک چڑھائے، اپنے سفید رنگ کے برانڈڈ جوتوں کو گھور رہا تھا. تھوڑی دیر پہلے وقوع پذیر ہوا واقعہ کسی فلم کی طرح ذہن میں چل رہا تھا. اور پھر اچانک سے فلم دروازے میں داخل ہوتے ہوئے سرمد پر پڑی عروج کی شکوہ کناں نظروں پر رک گئی.

اس نے تکلیف سے گردن پیچھے ٹکا دی اور آنکھیں موند لیں. کم ہونے کے بجائے یہ تکلیف دن بہ دن بڑھتی ہی جا رہی تھی. اسے اس سب سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اب کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا. اور یہی اس کا حتمی فیصلہ تھا. وہ کئی گھنٹے وہیں بیٹھ کر سوچتا رہا. گھر پہنچ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں گیا. کوٹ اتار کر بیڈ پر رکھا اور پھر سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا. کمرے میں آتے ہوئے جب امی نے پوچھا کہ اتنی دیر کیوں لگا دی اور کھانا کھایا یا نہیں تو اس نے کتنی صفائی سے جھوٹ بول دیا کہ دوستوں کی طرف گیا تھا اور کھانا بھی کھا چکا ہوں. اب اپنے جھوٹ بولنے پر دکھ ہو رہا تھا. وہ اٹھ کر بالکونی میں آگیا. تھوڑے فاصلے پر موجود بالکونی سے کسی کا سایہ جھلملایا اور وہ خوب جانتا تھا کہ یہ سایہ کس کا ہے. ایک دم سے سارے زخم تازہ ہو گئے. اس کے اپنے کمرے کی روشنی تو گم تھی ہی اب دوسرے کمرے سے آتی روشنی بھی کہیں دور نکل گئی تھی. وہ کتنی ہی دیر اس اندھیرے میں ڈوبی بالکونی کو دیکھتا رہا. اور پھر کمرے میں آکر کوٹ سے وہ ڈبی نکالی.

اسٹڈی ٹیبل سے موم بتی جلانے کے لئے رکھا لائٹر اٹھایا اور اپنی ویران بالکونی میں آ کھڑا ہوا. اس نے سگریٹ سلگائی اور پہلا کش لیا. گلے میں کچھ کڑوا سا اٹکتا ہوا محسوس ہوا. اسے زور سے کھانسی آئی.

"کتنی عجیب ہے. اس کے بارے میں تو کچھ اور ہی سنا تھا." خود کلامی کرتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑی سگریٹ پر تبصرہ کیا. کیونکہ اسے اپنے دوستوں کی بے تکی صفائیاں یاد آئی تھیں. خیر اس نے دوسرا کش لیا. پھر تیسرا اور پھر چوتھا. اور اس طرح ساری سگریٹ ختم کر دی.

"اتنی بھی بری نہیں." ایش ٹرے میں رکھی راکھ کو دیکھتے ہوئے وہ بولا. یہ وہ پہلی رات تھی جب اس نے اس مکروہ فعل کو اپنایا تھا. اور پھر آہستہ آہستہ یہ ہر رات کا معمول بنتا گیا. وقت کے ذرے اسی طرح ہاتھوں سے سرکتے جا رہے تھے. بلکہ اس نے خود ہی مٹھی ڈھیلی کر دی تھی. یہ وہ دن تھے جب وہ ایک رات میں دو یا تین سگریٹوں پر اکتفا نہیں کرتا تھا بلکہ ایک یا ڈیڑھ ڈبی ختم کرنے تک یہ عادت لے آئی تھی. اور یہ سفر اس نے صرف تین ماہ میں ہی طے کر لیا تھا. کیونکہ اب غم کو دھوئیں میں اڑانے والی بات نہیں رہی تھی بلکہ یہ ایک مکمل نشے کی صورت بننے لگی تھی. اور پھر ریت کے ان ذروں کے سرکنے کے ساتھ یہ عمل ڈیڑھ سے اڑھائی تک اگلے تین مہینوں میں ہی بدل گیا. اب یہ ضرورت مکمل طور پر نشے کی صورت اختیار کر چکی تھی. اور پھر آہستہ آہستہ چار تک عادت پہنچ گئی. اب وہ ساری رات میں صرف ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ ہی سوتا تھا. وہ دن بہ دن کمزور پڑنے لگا تھا. دوستوں کے ساتھ بھی کم ہی باہر جاتا. کھانا بھی امی زبردستی کھلاتیں. ان کی ہدایات کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتا. انہیں دنوں میں اس نے عروج کے سسرال والوں سے آئے روز تعلقات بگڑنے کی خبر سنی اور پھر اس کو بھی کماحقہ فراموش کیا. کیونکہ سلیم چچا اور رشتہ توڑ دیں ممکن ہی نہیں تھا. یہ بات ان کے اصولوں کے خلاف تھی. سو یہ بھی اس نے کسی خاطے میں نہ ڈالی.

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

اپنی اس مکروہ عادت کے ساتھ اس نے اگلے چھ ماہ بھی گزار لیے. اب وہ بالکل دبلا پتلا اور لاغر سا ہو گیا تھا. ہونٹوں پر لگتا تھا جیسے کسی نے کالک مل دی ہو. امی کی ہدایات دوسرے کان سے نکالنا تو دور کی بات اب وہ سنتا ہی نہیں تھا. صبح اور شام کے کھانے میں چند نوالے ہی اس کے معمول میں شامل ہو چکے تھے.

اس کی انجینئرنگ کا تیسرا سال شروع ہوا تھا جب ایک روز امی نے کھانے کی میز پر بات چھیڑی.

"فیضان (عروج کا منگیتر) کسی اور سے شادی کرنا چاہتا ہے. اس نے عروج سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے. بھائی صاحب اور راحیلہ بہت پریشان ہیں. میرے خیال میں یہی صحیح وقت ہے سرمد کے لیے عروج کا رشتہ مانگنے کا. تاکہ وہ بھی مزید پریشان نہ ہوں."

"ہمم. بہت پیاری بچی ہے. مجھے تو وہ شروع سے ہی پسند ہے." چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے سرمد کے والد نے مسکرا کر جواب دیا.

"جی مجھے بھی". امی شریر سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے بولی تھیں. سرمد ان کی اس مسکراہٹ کو سمجھ نہیں پایا تھا. یعنی وہ شروع سے ہی جانتی تھیں. ماں سے کچھ نہیں چھپ سکتا اب اسے یقین ہو ہی گیا تھا. مگر ایک چیز تھی جسے وہ بڑی بہادری سے چھپاتا آ رہا تھا. اور مزید کب تک چھپائے گا معلوم نہیں تھا.

آخر خوشی کے دن لوٹ ہی آئے تھے. اب اس نے پینی تھوڑی کم تو کی تھی مگر چھوڑ نہیں پا رہا تھا. کچھ کش وہ اپنی عادت اور کچھ اپنی خوشی کے نام کر دیتا. اور پینے کے بعد بڑی مہارت سے راکھ کاغذ میں لپیٹ کر سامنے میدان میں پھینک دیتا جو جگہ پہلے ہی ایسے نشہ آور لوگوں کا گہوارہ تھی.

ایک مہینے کے بعد اس کی عروج سے منگنی طے پائی تھی. اور پھر سال بعد شادی تا کہ اتنے عرصے میں وہ اپنی ڈگری بھی مکمل کر لے.

اور پھر آخر کار وہ دن بھی آ گیا. برقی قمقموں سے سجا ہال، انواع و اقسام سے سجے کھانے، ہنستے مسکراتے اور ان کی تصاویر بناتے نفوس. اس کی زندگی میں اب کوئی غم باقی نہیں بچا تھا. کیونکہ وہ پری آخر اس کے پہلو میں بیٹھ ہی گئی تھی. قسمت نے اس کا ساتھ دیا تھا. یا پھر یہ صرف اس کا خیال تھا.

کیمرا مین کے کہنے پر فوٹو کھنچوانے کے لیے وہ دونوں کھڑے ہوئے جب اچانک اسے اپنے دل میں شدید قسم کا درد محسوس ہوا. درد کی شدت سے وہ نیچے گرتا گیا. اس نے دیکھا کہ اس کے رشتہ دار دوڑ کر اس کے قریب آ رہے ہیں اور پھر اندھیرا چھا گیا. اس کے بعد کیا ہوا اسے کچھ علم نہیں. جانے کتنے لمحوں بعد اس نے نیم دراز آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے اوپر ایک دو نفوس جھک کر کچھ معائنہ کر رہے ہیں اور ایک دو تیزی سے اسٹریچر کو لے جا رہے ہیں. دوسری نظر اس کی اپنے ماں باپ پر پڑی. اور پھر ساتھ میں کھڑی عروج پر. اب اس کے دماغ نے کام کرنا شروع کر دیا تھا. وہ بے ہوش ہوا تھا اور اب ہاسپٹل میں تھا. لیکن وہ بے ہوش کیوں ہوا تھا؟ اس کی وجہ صرف اس کے پاس... نہیں اب تو سب تک یہ خبر پہنچی تھی. اور پھر جیسے اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی. وہ حرکت کرنا چاہتا تھا، دوڑنا چاہتا تھا، بجلی کی سی تیزی سے باہر جا کر سب کو بتانا چاہتا تھا کہ اسے کچھ نہیں ہوا وہ بالکل ٹھیک ہے. مگر وہ بالکل بھی حرکت نہیں کر پا رہا تھا. اب وہ آئی_سی_یو میں پہنچ چکا تھا.

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"جب امی اور ابو کو معلوم ہو گا کہ میں سگریٹ پیتا تھا تو انہیں کس قدر ٹھیس پہنچے گی. سارے خاندان والوں کے سامنے وہ رسوا ہو جائیں گے. لوگ میرے والدین کی تربیت پر بھی سوال اٹھائیں گے. "ڈاکٹرز کا کام جاری تھا. اب اس کی آنکھیں بھی بند ہو گئی تھیں.

"اور عروج، عروج کا کیا ہو گا. فیضان نے بھی انکار کر دیا اور میں نے بھی وفا نہیں کی.....

ان وجوہات کی بنا پر کوئی اسے قبول بھی کرے گا؟ اور زارا. کہیں اس سب کی وجہ سے زارا کو نہ مستقبل میں برداشت کرنا پڑے. تایا اور تائی یہ سب کیسے سہیں گے؟ امی اور ابو کس طرح جھیلیں گے؟"

اس کے مکروہ فعل کا نتیجہ نکل آیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی جنگ ہار دے اور جاتے ہوئے دوسروں کو بھی اذیت دے کر جائے. اب خدا ہی جانتا تھا کہ اذیتیں وقتی ہوں گی یا دائمی. مگر جو بھی ہو وہ جاتے ہوئے اپنے پیاروں کی زندگی برباد کر کے جا رہا تھا. کیونکہ اس برے فعل کی بدنامی کم نہیں تھی اور ہمارا معاشرہ اتنا بھی ماڈرن نہیں ہوا کہ اس طرح کی اموات کو قبول کر لے.

وہ اس وقت صرف اتنا ہی چاہتا تھا کہ اسے صرف ایک بار زندگی مل جائے. صرف ایک بار....

"میں انہیں اس طرح اذیت میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا."

"مجھے جینا ہے!"

"مجھے جینا ہے!"

اس کے دل سے شدت سے آرزو نکلی تھی. مگر افسوس کہ اس کی آرزو اس کے اعمال سے لکھی تقدیر کو نہ بدل سکی.

ایسے میں ہم اپنی قسمت کو ہر گز قصور وار نہیں ٹھہرا سکتے. اگر ایک انسان اتنا بھی نہ جان سکے کہ اسے مشکلات اور غموں میں نماز اور صبر سے مدد مانگنی ہے. تو اس کے مسلمان ہونے اور تعلیم یافتہ ہونے کا کیا فائدہ؟ ایسے کام جن سے اسلام نے منع کیا ہے ان میں بھلا کوئی بھلائی کیسے ہو سکتی ہے؟ لہٰذا دین اسلام کے قوانین کے پابند ہو جائیں ورنہ نتیجہ آپ کے سامنے ہے.

ختم شد

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کاروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب